اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا○ (الکھف:110)

وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرْ

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (العنکبوت:5)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تین اہم دن:

انسانی زندگی کے تین دن بڑے اہم ہوتے ہیں:۔

ایک وہ دن جب بچہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔اس دن اس کی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔اس کے رزق کے بارے میں بھی لکھ دیا جاتا ہے اور اس کے سعید (خوش بخت) یا شقی (بد بخت) ہونے کے بارے میں بھی لکھ دیا جاتا ہے۔اسی لیے تحنیک سنت ہے۔چنانچہ اگر کوئی نیک بندہ پاس موجود ہو تو اس کے منہ میں اپنا جوٹھا ڈالے۔وہ ایک کان میں اذان کہے اور دوسرے کان میں اقامت کہے۔یعنی اللہ رب العزت کا نام اس بچے کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔

دوسرا اہم دن وہ ہوتا ہے جب انسان اس دنیا سے اگلے جہان کی طرف روانہ ہوتا ہے۔اس دن اس کی زندگی کا ایک مرحلہ مکمّل ہوتا ہے اور دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔اللہ کرے اس دن بھی کوئی نیک آدمی پاس ہو جو کلمے کی تلقین کرے۔حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ ”جب کسی آدمی کے آخری لمحات ہوں تو جو لوگ اس وقت اس کے قریب ہوں ان کو چاہیے کہ وہ ذرا بلند آواز سے کلمہ پڑھیں تا کہ اسے کلمہ یاد آجائے۔“ اس کو تلقین کہتے ہیں۔

اس وقت اسے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کلمہ پڑھیں۔کیا معلوم کہ وہ کس حال میں ہے؟اس لیے خود ذرا اونچی آواز سے کلمہ پڑھے تا کہ وہ سن لے اور اسے بھی سن کر یہ بھولا ہوا سبق یاد آجائے۔یہ انسان کی زندگی کا دوسرا اہم دن ہوتا ہے۔

تیسرا اہم ترین دن وہ دن ہوگا جب سب لوگ اللہ رب العزت کے حضور پیش کیے جائیں گے۔یہ ملاقات کا دن ہوگا۔یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا دن ہوگا۔نیکوں کے لیے یہ دن اس طرح ہوگا جس طرح پردیس میں گیا ہوا کوئی محبوب بندہ لوٹ کر واپس آتا ہے تو لوگ اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔اس سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔اور اگر یہ برا انسان ہو تو یہ اس حیثیت سے اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائے گا جیسے کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑا جائے تو وہ اپنے آقا کے سامنے پیش ہوتے ہوئے شرمندہ ہوتا ہے۔

یہ تینوں دن بہت اہم ہیں۔اس لیے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا قول بیان فرمایا گیا:

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا(مریم:33)اور مجھ پر(اللہ کی طرف سے)سلامتی ہو پیدائش اور موت کے دن اور اس دن جس دن میں زندہ کھڑا کیا جاؤنگا۔

جو آیت مبارکہ تلاوت کی گئی اس میں اس تیسرے دن کا تذکرہ ہے۔

پروردگارِ عالم سے ملاقات کی فکر:

دنیا کے ہر انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب بھی اسے کسی اہم بندے سے ملاقات کرنی ہو تو اس کی وہ تیاری کیا کرتا ہے۔اگر دنیا کے کسی بڑے سے ملاقات کرنی ہو تو پھر بھی تیاری کرتا ہے اور اگر دین کے بڑے سے ملاقات کرنی ہو تو پھر بھی تیاری کرتا ہے۔حتی کہ شادی کے موقع پر دلہن کو میاں سے ملاقات

کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

جب بچی پیدا ہوتی ہے تو اسی وقت اس کی ماں کو فکر ہوتی ہے کہ مجھے اس بیٹی کا جہیز بنانا ہے، اس لیے کہ اس نے ایک دن اپنے پیا گھر بھی جانا ہے۔ اب اس بچی سے ہمیں سبق سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ابھی تو وہ کھلونوں میں کھیل رہی ہے اور اس کی ماں کو فکر ہے کہ اس کا کیا بنے گا۔ اگر ماں کو اس بچی کی فکر ہے تو کیا اسے اپنے متعلّق بھی یہ فکر ہے کہ ایک دن مجھے بھی اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس دن میرا کیا بنے گا!

جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے وہ اپنے میاں کی خاطر

☆ اپنے وطن کو چھوڑتی ہے

☆ خویش قبیلہ چھوڑتی ہے

☆ عزیز و اقارب کو چھوڑتی ہے

☆ اپنی سہیلیوں کو چھوڑ دیتی ہے، حتی کہ

☆ ہر چیز کو چھوڑ دیتی ہے۔

اگر ایک لڑکی اپنے میاں کی خاطر سب کچھ چھوڑ کے چلی جاتی ہے تو کیا ہم اپنے پرودگار کی خاطر دنیا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے!؟ ہمیں بھی تو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس کی تیاری کرنے کا وقت آج ہے۔

انسان کی چار پسندیدہ خصلتیں:

انسان کے اندر چار خصلتیں بہت پسندیدہ ہیں، مگر یہ بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں:۔

(۱) اللہ سے ڈرنا:

جلوت اور خلوت میں اللہ سے ڈرنا۔ جلوت کا مطلب، لوگوں کی موجودگی میں۔ خلوت کا مطلب، تنہائی

میں ۔لوگوں میں بیٹھ کر تو انسان خوف کی بڑی باتیں کرتا ہے، کیا خلوت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی ڈرتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو محفلوں میں بیٹھ کر اللہ کے دوستوں والا کلام کرتے ہیں اور جب خلوت میں ہوتے ہیں تو اللہ کے دشمنوں والا کام کرتے ہیں۔ نافرمانوں والا کام کرتے ہیں۔

جب دل میں اللہ رب العزت کا یہ استحضار ہو کہ وہ مجھے دیکھتے ہیں اور وہ میرے پاس ہیں تو پھر انسان حیا کرتا ہے اور گناہوں سے رک جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ صفت بہت عام تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کا خدا تو دیکھ رہا ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت گشت کر رہے تھے۔ صبح کا وقت ہو گیا۔ ایک گھر میں سے بڑھیا کی آواز آئی۔ اس نے اپنی بچی سے پوچھا: کیا بکری نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا: جی ہاں! دودھ تو دیا ،مگر تھوڑا ہے۔ اس بڑھیا نے کہا: لینے والے تو آ کر مانگیں گے، چنانچہ اس میں کچھ پانی ملا دو تا کہ مقدار پوری ہو جائے۔ اس نے کہا: دادی اماں! میں تو پانی نہیں ملاؤں گی اس لیے کہ حضرت عمر نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔ اس بڑھیا نے کہہ دیا: کون سا عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں۔ تو اس بچی نے جواب میں کہا: ''جی! اگر عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی یہ باتیں سن کر واپس آ گئے۔ جب دن ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بڑھیا کو بلایا اور حقیقت حال معلوم کی۔ اس وقت ان کو پتہ چلا کہ وہ نوجوان بچی تھی جس نے یہ جواب دیا تھا۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کو اتنی پسند آئی کہ اس بڑھیا سے کہا کہ اگر آپ کے پاس جوان بچی ہے تو میرے پاس جوان بیٹا ہے، کیوں نہ ہم ان دونوں کا آپس میں نکاح کر دیں۔ چنانچہ نکاح ہو گیا اور دلہن اپنے گھر آ گئی۔

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ جب بھی میں گھر میں سے تیار ہو کر جانے لگوں تو دروازے کے پاس کھڑی ہو جایا کرو، اور جب میں گزرنے لگوں تو یہی کلمہ کہہ دیا کرو:

عمر نہیں دیکھ رہا تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔

ان پر اس فقرے کا اتنا اثر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے بیٹھے چونک پڑتے اور اچانک کہتے: ''عمر نہیں دیکھ رہا، عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

پھر اللہ کہاں ہے؟

اسی طرح کا واقعہ ان کے بیٹے کے ساتھ بھی پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر پہ تھے۔ ایک چرواہے کو دیکھا۔ اس سے کہا: بھئی! ایک بکری بیچ دو، ہمیں روزہ ہے، افطاری کے لیے ہم اس کو تیار کریں گے، تم بھی کھانا اور ہم بھی کھائیں گے۔ اس نے کہا: جناب! میں تو ان کا چرانے والا ہوں، ملکیت تو کسی اور کی ہے۔ پتہ چلا کہ وہ چرواہا بھی روزے سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تجویز پیش کی کہ اگر تم ایک بکری بیچ دو تو تمہاری افطاری کا بھی بندوبست ہو جائے گا اور ہمارے بھی کھانے کا بندوبست ہو جائے گا۔ اس نے پوچھا: پھر مالک کو میں کیا بتاؤں گا؟ انہوں نے آزمانے کے لیے کہہ دیا: تمہارا مالک کونسا یہاں موجود ہے۔ اس وقت چرواہے نے کہا کہ اگر میرا مالک موجود نہیں، وَاَیْنَ اللّٰہ؟ پھر اللہ کہاں ہے؟ اللہ تو موجود ہے نا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر اس فقرے کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد زندگی میں جب بھی ان کو یہ بات یاد آتی تو وَاَیْنَ اللّٰہ کہہ کر اس واقعہ کو یاد کر کے مزے لیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ وہ کیسی امت ہے جس کا چرواہا پہاڑوں کی تنہائی میں بھی بیٹھ کر کہتا ہے ''وَاَیْنَ اللّٰہ۔ اللہ کہاں ہے؟'' تو انہیں خلوتوں میں بھی اللہ یاد ہوتا تھا۔ یاد رکھیں! خلوت اور جلوت میں اللہ کو یاد رکھنا اور اس کا خوف رکھنا، یہ ایمان کامل کی نشانی ہوتی ہے۔

(۲) میانہ روی اختیار کرنا:

فقر میں یا غنا میں میانہ روی اختیار کرنا۔حدیث پاک میں فرمایا گیا:

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا

''کاموں میں سے بہترین کام میانہ روی ہے''

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کھلا مال دے تو بالکل لٹائے نہیں اور اگر تنگی کا معاملہ کرے تو بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے۔فقر ہو یا غنا،میانہ روی کی زندگی گزارے۔

(۳)انصاف کا معاملہ کرنا:

ناراضگی میں یا رضا میں انصاف کا معاملہ کرنا یہ بہت مشکل کام ہے۔کتنے نیک لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نارمل حالات میں تو انصاف کا معاملہ کرگزرتے ہیں،لیکن جب ناراضگی یا خوشی کا معاملہ آتا ہے تو انہیں انصاف کرنا بھول جاتا ہے۔اب وہ شریعت کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ذرا سی ناراضگی ہوئی تو اب اس نارضگی میں ان کے لیے۔

☆ غیبت بھی ٹھیک بن گئی

☆ بہتان بھی ٹھیک بن گئے

☆ سینہ میں کینہ رکھنا بھی ٹھیک ہو گیا

کتنی ایسی باتیں جن سے شریعت نے منع کیا،ہم ان کو بھی غصے میں بڑے آرام کے ساتھ کر رہے ہوتے ہیں۔دراصل بندے کا پتہ ہی اس وقت چلتا ہے جب وہ خوشی یا غصے کے عالم میں ہو۔جس کی تربیت ہو چکی ہو وہ غصے میں یا خوشی میں ہمیشہ انصاف کا دامن پکڑے رکھے گا۔وہ کبھی ایسی بات زبان سے نہیں کہے گا جو انصاف سے ہٹ کر ہو گی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا:

تنگی اور خوشحالی میں اللہ رب العزت کی حمد وثنا بیان کرنا۔ خوش حالی میں حمد وثنا کرنا آسان ہے اور تنگی میں کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ فاقہ ہو اور پھر بھی انسان اللہ رب العزت کی حمد وثنا بیان کرے یہ بڑا مشکل کام ہے۔ مگر اللہ والوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہر حال میں اللہ رب العزت سے راضی ہوتے ہیں۔

لطفِ سجن دم بہ دم قہرِ سجن گاہ گاہ ایں بھی سجن واہ واہ اوں بھی سجن واہ واہ

وہ خوشی میں بھی اپنے رب سے راضی اور تنگی میں بھی اپنے رب سے راضی۔ وہ ہر وقت اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے ساتھ رطب اللسان رہتے ہیں۔

جو شخص یہ چاہے کہ اللہ رب العزت کی جو نعمتیں مجھے ملی ہیں، یہ ہمیشہ باقی رہیں اور ان نعمتوں میں اضافہ ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کثرت سے بیان کرے۔

انبیائے کرام اور حمدِ الٰہی:

انعام یافتہ طبقوں میں انبیائے کرام گزرے ہیں۔ ان پر اللہ رب العزت کے خاص خاص انعامات ہوئے۔ وہ سب کے سب انبیا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے تھے۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے۔

جب حضرت نوحؑ کشتی بنا چکے تو اس وقت ان کو کیا حکم ہوا؟

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (المؤمنون:28) جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر بیٹھ جائیں تو اس وقت کہیے گا، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔''

سیدنا ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد مانگی۔ پروردگار نے بڑھاپے میں دے دی۔ اس نعمت کے ملنے پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کیسے بیان کی؟ قرآن مجید میں ہے۔ یوں کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ

(ابرھیم:39)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ پر اپنی بہت نعمتیں بھیجیں۔ انہوں نے نعمتوں کو پا کر کیا کہا: فرمایا:

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ (النمل:15)

یوں اللہ رب العزت کی حمد بیان کی۔

جنتی لوگوں کی یہ عادت ہوگی کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔

اہلِ جنت اور حمدِ باری تعالیٰ:

پانچ مواقع ایسے ہوں گے جن میں جنتی لوگ دل سے اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہوں گے۔

(۱) جب اعلان ہوگا:

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسٓ:59)

''اور اے مجرمو! آج کے دن (میرے نیک بندوں سے) جدا ہو جاؤ۔''

جب مومن کو نیکوں کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا اس وقت وہ لوگ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (المؤمنون:28)

(۲) پھر دوسرے موقع پر جب پل صراط سے گزرنے کا وقت آئے گا، وہ ایک کٹھن مرحلہ ہوگا۔ جس کے

بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (مریم: 72-71) اس وقت مومن پر خوف و ہراس ہوگا۔ تو جو مومن اس پل سے بخیریت گزر جائے گا، وہ گزرنے کے بعد کہے گا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (فاطر: 34)

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم سے یہ غم دور ہو گیا بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا شکر پسند ہے''

(۳) پھر ان جنتیوں سے کہا جائے گا کہ نہر حیات سے غسل کر لو تا کہ اگر قیامت کے دن کی سختی کا ان کے بدن پر کوئی اثر ہے بھی سہی تو وہ دور ہو جائے۔ چنانچہ وہ نہر حیات کے پانی میں جا کر غسل کریں گے۔ یہ جنت میں داخلے کی تیاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری ہوگی۔ تو غسل کرنے کے بعد ان کو ایک نیا حسن و جمال ملے گا۔ پھر وہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ جب وہ جنت میں جا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ کہیں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ

(الاعراف: 43)

(۴) پھر جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔ وہ کہیں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ

(الزمر: 74)

(۵) پھر جب ان کو گھر مل جائیں گے اور ان گھروں میں وہ اپنی بیویوں کے ساتھ قرار پکڑیں گے، قیام کریں گے، اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کریں گے اور کہیں گے:

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (صٰفّٰت:182) حمدِ الٰہی میں رطب اللسان رہیں گے،

جس طرح یہ مُنْعَمْ عَلیھم لوگ اللہ رب العزت کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی خوب حمد بیان کرتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کی ایسے ہی تعریفیں کریں۔ علما نے لکھا ہے کہ بندے کو جتنی بھی بڑی نعمت مل جائے، اگر اس نے اس نعمت پر الحمدللہ کہہ دیا تو یوں سمجھ لو کہ اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا۔ یہ کون سا مشکل کام ہے بھئی! آج تو جو پیپسی کی بوتل پلائے اس کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، جو چائے کا کپ پلا دے اس کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، اور جو پروردگار ساری زندگی کھلاتا پلاتا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے ہم اس پروردگار کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں۔ اس لیے یہ عادت بنا لیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو بھی نعمت ملے اس پر الحمدللہ کہا کریں۔

گھر کو دیکھیں تو الحمدللہ

گھر والی کو دیکھیں تو الحمدللہ

اولاد کو دیکھیں تو الحمدللہ

اللہ کے گھر کو دیکھیں تو الحمدللہ

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے کھاتے ہمارے دانت گھس جاتے ہیں، کاش! اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے کرتے ہماری زبان گھس جاتی۔

آج تو یہ حالت ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے کا موقع ہوتا ہے وہاں بھی اس کی تعریف نہیں کرتے۔ اگر کوئی پوچھے کہ کاروبار کیسا ہے تو جواب ملتا ہے، جی بس گزارا ہے۔ حالانکہ اتنا اچھا کاروبار

ہوتا ہے کہ اگر یہ چاہے تو مزید چالیس گھروں کے رزق کا بندوبست بھی کرسکتا ہے۔اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ یہ ناشکری نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اس وقت وہ دل کھول کر اللہ کی تعریفیں کرتا اور کہتا: جی! میں اپنے پرودگار کی تعریفیں کیسے ادا کروں، اس پروردگار نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر عطا کیا ہوا ہے۔

انسان کے چار حالات:

دنیا کا ہر انسان چار حالات سے خالی نہیں۔وہ ان میں سے کسی نہ کسی ایک حال میں ضرور ہوگا:۔

(۱) اللہ کی بندگی کرنا:

پہلی بات یہ کہ یا تو بندہ پروردگار کی بندگی اور اطاعت کر رہا ہوگا۔اگر اس حال میں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے ان نیک اعمال کی قبولیت مانگے۔وہ ایسا بندہ ہے کہ کوئی گناہ نہیں کرتا، ہر کام شریعت وسنت کے مطابق کرتا ہے۔یعنی اگر وہ عبادت گزار ہے، نیکوکار ہے، پرہیزگار ہے تو تب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے قبولیت مانگنے کا محتاج ہے۔اس لیے کہ نیکی کر لینے سے کام مکمّل نہیں ہوتا، جب تک کہ پروردگار قبول نہ فرمالے۔تو قبولیت کا یہ غم بھی ہونا چاہیے۔قابلیت اور چیز ہے قبولیت اور چیز ہے۔اللہ والوں کے دل میں یہ غم ہوتا ہے کہ

میری قسمت سے الٰہی! پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

چنانچہ وہ دوڑ دوڑ کر اور بھاگ بھاگ کر نیک اعمال کر رہے ہوتے ہیں تاکہ اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیے جائیں اور پرودگار ان کو قبول کر لے۔

امید کی کرن:

یہ کتنی دلچسپ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلیت کو نہیں، قبولیت کو دیکھا جاتا ہے۔ اگر قابلیت پر ہی معاملہ ہوتا تو پھر ہم جیسوں کو کون پوچھتا؟ اس میں بڑی امید کی کرن موجود ہے کہ جہاں نیک لوگ اپنی قابلیت پر خوش ہوں گے وہاں برے لوگ بھی دل میں امید رکھیں گے کہ مولا کے ہاں قابلیت کا نہیں قبولیت کا معاملہ ہے۔ وہ جس کو چاہے قبول کر لے۔

وہ پروردگار جب چاہتا ہے تو فضیل بن عیاض کو ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کر ولیوں کا سردار بنا دیتا ہے۔ تو جب یہ پتہ چلا کہ وہاں قبولیت کا معاملہ ہے تو اب ہماری بھی امید بندھ گئی۔ اب کوئی آدمی بھی مایوس نہیں ہوسکتا۔ مومن بندہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوسکتا۔ کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، خطا کار کیوں نہ ہو، کوئی لمحہ اور کوئی دن نافرمانی کے بغیر وہ نہ گزارے، پھر بھی امید کی کرن موجود ہے کہ پروردگار نے ہی قبول کرنا ہے۔ جب اس کی رحمت کی نظر پڑ جائے گی تو پھر کوئی گناہ گناہ نہیں رہے گا، وہ پروردگار گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل فرما دیگا۔

گناہوں کا نیکیوں میں بدلنے کا واقعہ:

ایک آدمی بڑا ہی بدکار تھا، حضرت موسیٰؑ کے دل میں ایک مرتبہ خیال آیا اور دعا کی: اے اللہ! اس وقت جو بندہ سب سے زیادہ گناہ گار ہے اسے دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرما دیا، یہ ایک بدکار بندہ تھا۔ جو ہر وقت جوانی کی مستیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور برائی کے سوا اسے کوئی کام ہی نہیں تھا۔

کچھ عرصے کے بعد حضرت موسیٰؑ کے دل میں دوبارہ خیال آیا اور دعا کی: یا اللہ! جو تیرا بڑا ہی عبادت گزار بندہ ہے اس کو بھی دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں جگہ پر ہے۔ جا کر دیکھا تو یہ وہی بندہ تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ بڑے حیران ہوئے اور کہا: پروردگارِ عالم! یہ تو سب سے زیادہ گناہ گار بندہ تھا!۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک مرتبہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کے سامنے تھا۔کوئی بات ہوئی تو اس کی بیوی نے اس کو کہہ دیا کہ تیرے اعمال تو ایسے ہیں کہ تو تو پکا جہنمی ہے۔اس نے بیوی کو جواب دیا: ''ہاں! میں اگر چہ بڑا گناہ گار ہوں مگر اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔''

چونکہ اس نے امید والی بات کہی، اس لیے ہماری رحمت جوش میں آئی اور ہم نے اس کے سب گناہوں کو اس کی نیکیوں میں بدل دیا، اس لیے یہ سب سے زیادہ نیکیوں والا بندہ بن گیا۔

جہاں اس قبولیت کے معاملے میں ایک طرف ہمارا دل ڈرتا ہے کہ ہمارے اندر قابلیت نہیں، وہاں دوسری طرف امید بھی بندھتی ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ کوجھے بھی قبول ہو سکتے ہیں۔جس کو چاہے وہ مولا قبول فرمالے۔

(۲) گناہوں بھری زندگی گزارنا:

دوسری بات یہ ہے کہ یا پھر انسان گناہوں بھری زندگی گزارتا ہوگا۔اگر ایسی کیفیت ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق مانگے۔یاد رکھیں! انسان جتنا بھی گناہگار اور خطا کار کیوں نہ ہو، اس کے گناہ پھر بھی محدود ہیں اور اللہ رب العزت کی رحمت لامحدود ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:156) بے شک میری رحمت ہر چیز پر غالب ہے۔

اس لیے ہر گناہ گار کے لیے معافی کا امکان موجود ہے۔

گناہ گار کے لیے جنت کی بشارت:

بنی اسرائیل کا ایک آدمی بڑا عبادت گزار تھا اور ایک آدمی بڑا گنہگار تھا۔جب اس عبادت گزار کو پتہ چلا

کہ یہ اتنا گناہ گار ہے تو اس کے دل میں اس کے بارے میں نفرت پیدا ہوگئی۔

جب برے آدمی سے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میرے دل کی تمنا یہ ہے کہ جو یہ نیک بندہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیک بندوں کے ساتھ میرا حشر فرمادے۔ اس نیک آدمی کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ اس کے دل میں تو یہ بات تھی کہ یہ بڑا برا آدمی ہے۔ پھر اس نیک آدمی سے حضرت موسیٰؑ نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: جی! بس دعا کردیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ مجھے اکٹھا نہ کرے۔ اس کے دل میں یہ یقین تھا کہ یہ گناہ گار ہے اس لیے جہنّم میں جائے گا، لہٰذا میں اس کے ساتھ اکٹھا نہیں ہونا چاہتا۔

وہ خود پسندی کے باعث یہ بات کر بیٹھا کہ جی دعا کردیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ آپ اس گناہ گار کو جنت کی بشارت دے دیجیے، اس نے نیکوں کے ساتھ حشر کی تمنا دل میں رکھی اور اس نیک آدمی کو جہنّم کی خبر دے دیجیے، اس لیے کہ اس نے دعا مانگی تھی کہ اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، اب تو وہ جنت میں ہے اور جنت میں وہ اس کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوسکتا، اس لیے اس کو جہنّم میں بھیجا جائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیک آدمی نیکی پر عجب نہ کرے اور برا آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو، توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گناہ کرتا ہی رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اب بھی چاہے تو وہ گناہوں سے توبہ کرکے نیکی کی راہ اپنا سکتا ہے۔

(۳) خوشحالی میں ہونا:

تیسری بات یہ ہے کہ یا تو وہ خوش حالی میں ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ خوش حالی میں ہے تو اللہ رب العزت کا

شکر ادا کرے۔ پروردگار کی ایک ایک نعمت کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابرھیم:7)

(۴) تنگ دستی میں ہونا:

چوتھی بات یہ ہے کہ یا پھر وہ تنگ دستی میں ہوگا۔ اگر تنگ دستی میں ہو تو پھر اس پر صبر کرے۔ دنیا میں تو مصائب و آلام آتے ہیں۔ اگر انسان ایسے حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھے تو اسے اس پر معیت الٰہی کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرہ:53)

یاد رکھیں! شکر کرنے والا بندہ بھی جنت میں جائے گا اور صبر کرنے والا بندہ بھی جنت میں جائے گا۔

قیامت کے دن عذر ہائے لنگ:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھیں گے کہ تم نے زندگی کیسے گزاری۔ اس زندگی کے بارے میں مختلف معیار ہوں گے۔

ایک مصروف آدمی کا عذرِ لنگ:

ایک بندہ ایسا ہوگا جو کہے گا: اے اللہ! میں بڑا ہی مصروف آدمی تھا، وقت کا حاکم تھا، ذمہ داریاں بہت تھیں، فرصت ہی نہیں ملتی تھی، بڑے کام ہوتے تھے، اس لیے مجھے تیری عبادت کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے سامنے حضرت سلیمان D کو پیش فرمائیں گے۔ کہیں گے: دیکھو! یہ بھی میرے بندے ہیں، دنیا میں انہوں نے بھی شاہی وقت گزارا۔ یہ انسانوں کے بھی بادشاہ، جنوں کے بھی

بادشاہ، پرندوں کے بھی بادشاہ، پانی اور سمندر کی سب مخلوق کے بادشاہ۔مگر اس کے باوجود انہوں نے ایسی زندگی گزاری کہ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی میری نافرمانی نہیں کی۔اگر یہ ایسی زندگی گزار سکتے تھے تو آپ کیا بہانہ کر رہے ہیں کہ میں بڑا مصروف بندہ تھا اور بڑی ذمہ داریاں تھیں؟

ایک نوکر کا عذرِ لنگ:

ایک بندہ کھڑا ہو کر کہے گا: یا اللہ! میں دنیا کے اندر نوکر تھا اور نوکر تو حکم کا پابند ہوتا ہے۔اس لیے مجھے میرا مالک نیکی اور نماز کا موقع ہی نہیں دیتا تھا، میں مجبور تھا، کیا کرتا؟ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے حضرت یوسف ؑ کی مثال پیش فرمائیں گے اور کہیں گے: دیکھو! یہ غلام تھے، مگر غلامی میں بھی انہوں نے وہی کام کیا جو میرے حکموں کے مطابق تھا، اگر یہ ایسی زندگی گزار سکتے تھے تو تمہارے پاس کون سا بہانہ ہے؟

ایک فقیر آدمی کا عذرِ لنگ:

ایک آدمی کھڑا ہوگا اور کہے گا: یا اللہ! میں تو دنیا میں فقیر آدمی تھا، میرے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں، میں تو کھانے کو ترستا تھا، میری زندگی کیا زندگی تھی! اللہ تعالیٰ اس کے سامنے حضرت عیسیٰؑ کی مثال پیش فرمائیں گے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ سفر پر چلے تو سب کچھ چھوڑ دیا۔صرف ایک تکیہ اور ایک پیالہ اپنے پاس رکھا۔تکیہ اس لیے کہ سوتے وقت اس پر سر رکھیں گے اور پانی کا پیالہ اس لیے کہ پانی پینے کے لیے کسی سے مانگنا نہ پڑے۔راستے میں دیکھا کہ ایک جگہ ایک آدمی سویا پڑا ہے اور اس نے اپنا بازو اپنے سر کے نیچے رکھا ہوا ہے، تو یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ D کہنے لگے کہ میں نے تو خوامخواہ تکیے کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے، میں تو اپنے بازو کو بھی تکیہ بنا سکتا ہوں۔چنانچہ وہ تکیہ بھی اللہ کے راستے میں دے دیا۔پھر تھوڑی دور آگے گئے تو دیکھا کہ ایک بندہ پانی پی رہا ہے اور وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں پانی لے کر پی رہا ہے۔دیکھ

کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ پیالہ میرے ہاتھوں میں بنا دیا ہے، میں خوامخواہ اس کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہوں۔ چنانچہ اس پیالے کو بھی اللہ کے راستے میں دے دیا۔ ایسی زندگی تھی۔ مگر ایسی زندگی میں بھی ایک لمحہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی؟

تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی مثال پیش فرما کر کہیں گے کہ اگر وہ ایسی زندگی گزار سکتے تھے تو تمہارے لیے کیا بہانہ ہے۔

ایک بیمار آدمی کا عذرِ لنگ:

ایک آدمی کہے گا: اے اللہ! میری تو صحت ہی خراب رہتی تھی جیسے بہانہ بنا لیتے ہیں کہ جی تہجّد میں کیسے اٹھوں، مجھے تو کمر میں درد ہوتا ہے، پٹھوں میں درد رہتا ہے، سر میں درد رہتا ہے۔ کسی کو دل کا درد آرام نہیں آنے دیتا اور کسی کو سر کا درد نہیں آنے دیتا..... وہ بندہ کہے گا: جی! میں بڑا ہی بیمار رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے سیدنا ایوبؑ کی مثال پیش فرمائیں گے کہ دیکھو! ان پر بھی آزمائش آئی۔ اگر اس آزمائش میں انہوں نے صبر کے ساتھ وقت گزارا تو تم ایسے حالات میں صبر کے ساتھ وقت کیوں نہیں گزار سکتے تھے؟

ہاں! وہ بچتے بچتے مرے گا:

ہمیں چاہیے کہ ہم قیامت کے دن کی پیشی کے لیے تیاری کر لیں۔ بالآخر وہ دن آئے گا، کوئی انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ ایک صاحب نے کسی اللہ والے سے کہا: حضرت! فلاں بندہ تو بس مرتے مرتے بچا ہے۔ کہنے لگے: ہاں! وہ بچتے بچتے مرے گا۔ اس نے پھر کہا: وہ مرتے مرتے بچا ہے۔ انہوں نے بھی دوبارہ کہا: ہاں! وہ بچتے بچتے مرے گا۔ کہاں تک بچے گا، بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ ایک دن ہمیں بھی دنیا سے جانا ہے۔

کاش!

ہمارے اسلاف اس دن کی تیاری کے لیے خوب محنت کرتے تھے۔

کاش! آج ہم اپنے فرائض کا اتنا اہتمام کر لیتے جتنا کہ ہمارے اسلاف نفلی عبادتوں کا اہتمام کرتے تھے۔

کاش! آج ہم حرام کے بارے میں اتنی احتیاط کر لیتے جتنی ہمارے اسلاف حلال کے بارے میں احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

کاش! ہم گناہوں کی بخشش کا اتنا غم کر لیتے جتنا کہ ہمارے اسلاف اپنی نیکیوں کی قبولیت کا غم کر لیتے تھے۔ساری رات عبادت کیا کرتے تھے اور صبح کے وقت اس طرح رو رہے ہوتے تھے جیسے یہ بندہ ساری رات کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا رہا ہو۔کس لیے روتے تھے؟اس لیے کہ ان کے پیش نظر یہ بات ہوتی تھی:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

''اللہ! ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ تیری عبادت کا حق تھا اور تجھے ایسے نہیں پہچانا جیسے کہ تجھے پہچاننے کا حق تھا۔''

کاش! ہم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتے جس سلوک کا ہمارے اسلاف اپنے دشمنوں کے ساتھ مظاہرہ کرتے تھے۔

ہماری زندگیوں میں اور ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں کتنا فرق ہے۔ہماری زبوں حالی تو یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں جو چھوٹی چھوٹی باتیں پیش آتی ہیں ان میں الجھ کر ہم اپنے پروردگار کی عبادت میں

کوتاہی کر جاتے ہیں۔

بکری کی وفاداری:

ذرا بکری کو دیکھو! مالک اسے ایک آواز دیتا ہے۔ جبکہ وہ گھاس چر رہی ہوتی ہے۔ جانور ہے، وہ اپنے مالک کی آواز پر گھاس چرنا چھوڑ دیتی ہے اور آج کا مسلمان اللہ اکبر کی آواز سن کر دنیا کے کاموں کو چھوڑ کر مسجد میں نہیں آتا۔ ہم نے تو مالک کی اتنی وفاداری نہ کی جتنا بکری مالک کی وفادار ہے۔

ایک بچے کے عمل میں پوشیدہ سبق:

ایک آدمی چھوٹے بچے کو کسی بزرگ کے پاس لایا۔ اس کی جیب میں کوئی میٹھی چیز تھی۔ انہوں نے اس بچے کو دی تو بچے نے نظریں ہٹالیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر انہوں نے وہ چیز پیش کی مگر بچے نے پھر نظریں ہٹالیں۔ حالانکہ بچے کو تو میٹھی چیز کھانے کی بہت طلب ہوتی ہے۔ لیکن بچے نے میٹھی چیز کی طرف نہیں دیکھا، بلکہ اپنے باپ کے چہرے کی طرف دیکھا کہ ابو کیا کہتے ہیں۔ جب یہ معاملہ ہوا تو ابو نے کہا: بیٹا! لے لو، لے لو۔ اب اس بچے نے میٹھی چیز لے لی اور کھالی۔ ان بزرگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ آدمی کہنے لگا: حضرت! مجھ سے کوئی بے ادبی ہوگئی؟ خیر تو ہے، آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے؟ وہ فرمانے لگے اس بچے کے عمل سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ میں نے بچے کو اس کی مرغوب چیز پیش کی، بچے نے اس کی لذت کی طرف نہیں دیکھا، بلکہ باپ کے چہرے کی طرف دیکھا کہ ابا کیا کہتا ہے۔ ہمارے سامنے بھی تو مختلف چہرے گزرتے ہیں، ہم بھی ان نمکین چیزوں کو دیکھنے کی بجائے اپنے ''ربّا'' کی طرف نظر کرتے کہ ہمارے پروردگار ہمیں کیا کہتے ہیں؟ بچہ تو میٹھی اور مرغوب چیز کو چھوڑ کر باپ کی طرف دیکھتا ہے، کیا ہم نے بھی کبھی کوئی ایسا چہرہ چھوڑ کر اپنے رب کی طرف دیکھا کہ پروردگار! آپ کا حکم کیا ہے؟

پریشانی میں بھی خدا فراموشی!!!

آج ذرا کسی سے سوال پوچھ کر تو دیکھیں، جی! آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے، جواب ملے گا: جی بس تھوڑی سی پریشانی ہے، ذرا یہ دور ہو جائے تو پھر میں مسجد میں آؤں گا۔ کیا مطلب؟ تھوڑی سی پریشانی آنے پر ہم جس گھر کا دروازہ سب سے پہلے بھولے وہ خدا کا گھر تھا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تھوڑی سی پریشانی آنے پر اپنے پروردگار کے گھر کا دروازہ بھول جاتے ہیں۔ مسجد میں آتے ہی نہیں۔ جی تھوڑی سی پریشانی ہے، ٹھیک ہوگئی تو آؤں گا۔

چار وظیفے:

اکثر دوست فون کر کے یا خط لکھ کر وظیفے پوچھتے رہتے ہیں۔ چلیں آج آپ کو چند ایک قرآنی وظیفے بتا دیں تا کہ آپ کی پریشانیاں بھی دور ہوں اور آپ خوش ہو جائیں۔ یہ قرآنی وظیفے مجرب اور آزمودہ ہیں، مگر دل کے یقین کی ضرورت ہے۔

اگر آج ہم کسی مردے پر کہیں قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ تو کیا وہ کھڑا ہو جائے گا؟ ہمارے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کہنے سے تو سویا ہوا نہیں جاگتا، مویا ہوا کیا اٹھے گا؟ اور حضرت عیسیٰؑ یہی الفاظ مردے پر پڑھا کرتے تھے اور وہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ اب الفاظ تو وہی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے، الفاظ ادا کرنے والی زبان کا فرق ہے۔ یہی آیتیں اور یہی الفاظ ایک مخلص بندے کی زبان سے نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تاثیر پیدا کر دیتے ہیں اور غافل بندے کی زبان سے نکلتے ہیں تو تاثیر سے خالی رہتے ہیں۔ عمل تو سو فیصد پکے ہیں لیکن دل کے یقین کی ضرورت ہے۔ قرآن عظیم الشان میں اس کی دلیل موجود ہے۔

(۱) مصیبت زدہ کے لیے:

جو انسان بڑا ہی غم زدہ ہو، مصیبت کا مارا ہو، پریشانیوں میں مبتلا ہو، دل پر غم اور خوف طاری ہو، مصیبت

میں جکڑا ہوا ہو اور کہیں سے اسے امید کی کرن نظر ہی نہ آتی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ق اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیآء:87)

اس لیے کہ قرآن مجید میں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَ كَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (الانبیآء:88) دیکھا! قرآن گواہی دے رہا ہے۔ان الفاظ کے ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو غم سے نجات عطا فرما دی۔

بھئی! حضرت یونسؑ تو مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تھے۔اور

☆ کئی لوگوں کے لیے ان کی دکان مچھلی کا پیٹ بن جاتی ہے۔دکان ان کی جان ہی نہیں چھوڑتی۔

☆ کسی کے لیے گھر مچھلی کا پیٹ بن جاتا ہے۔وہ مصیبت میں گھرے ہوتے ہیں۔ان کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں ہوتے۔

☆ کسی کے لیے اپنی ذات ہی مچھلی بنی ہوتی ہے۔ان کا اپنا نفس ہی قابو میں نہیں آتا۔

ہم جس مچھلی میں بھی گرفتار ہوں، ہم اگر صمیم قلب کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ق اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیآء:87) پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال دیں گے۔

(۲) کام سنوارنے کے لیے:

جس آدمی کے کام الجھ جائیں اور سیدھے ہی نہ ہوتے ہوں، وہ ہر ممکن کوشش بھی کرے مگر کام سنورتے ہی نہ ہوں تو وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ (ال عمرن:173) پڑھے۔کیوں؟ اس لیے کہ جب بندہ یہ الفاظ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ا وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ

ذُوْفَضْلٍ عَظِیْمٍ (ال عمرن: 174) یہ الفاظ خلوصِ دل کے ساتھ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتوں کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔

(۳) حاسدین کے شر سے بچنے کے لیے:

کچھ لوگوں کو حسد کی بیماری ہوتی ہے۔

انہیں خواہ مخواہ کا بیر ہوتا ہے

کسی کو اچھے حال میں دیکھ نہیں سکتے

ان کے اندر مروڑ اٹھتا ہے

ان کے سینوں میں کینہ ہوتا ہے

ان کو دوسرے کا رزق اچھا نہیں لگتا

دوسرے کی عزت اچھی نہیں لگتی

صحت اچھی نہیں لگتی

ان کے بیٹے کا رشتہ اچھی جگہ ہو جائے تو یہ اچھا نہیں لگتا

یٹی کا رشتہ اچھی جگہ ہو جائے تو یہ اچھا نہیں لگتا

ان کا بیٹا تعلیم میں اچھے نمبر لے لے تو یہ بھی اچھا نہیں لگتا

کوئی نیک بن جائے تو اس کی نیکی بھی ان کو اچھی نہیں لگتی

کوئی دین کا کام کرنے والا ہو تو اس کا دین کا کام بھی ان کو اچھا نہیں لگتا

حسد ایسی بری بلا ہے۔ چنانچہ

اگر کسی کا حاسدین سے واسطہ ہو

دوستی کے رنگ میں دشمنی کرنے والوں سے واسطہ ہو

مکر سے خوف زدہ ہو

تو اس کو چاہیے کہ کثرت سے یہ پڑھے:

وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ (المؤمن:44)

کیوں؟ اس لیے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَامَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ(المؤمن:45)

دیکھا قرآن پاک گواہی دے رہا ہے کہ یہ الفاظ ادا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مکر سے بچا لیا۔ دشمنوں کی تدبیروں سے بچا لیا۔

(۴) حصولِ جنت کے لیے:

جو آدمی دل میں جنت کی تمنا رکھے، اسے چاہیے کہ وہ کثرت سے یہ پڑھے:

مَاشَاءَ اللّٰہ

قرآن مجید میں ہے کہ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ(الکھف:39) پڑھنے کے جواب میں فرمایا گیا:

فَعَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يُّؤۡتِيَنِ خَيۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ (الکھف:40)

اللہ تعالیٰ تیرے باغ سے تجھے بہتر باغ عطا فرما دے۔

تعویذوں اور دھاگوں کا چسکا:

ذرا سوچیں کہ اب یہ الفاظ کہنے کونسا مشکل ہوتے ہیں۔ مگر آج ہمیں تعویذوں اور دھاگوں کا چسکا ہوتا

ہے۔عاملوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں.....ایمان کا خطرہ.....اللہ بچائے ان عاملوں سے.....اِلا ماشاءاللہ.....نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ ڈھونگ رچائے بیٹھے ہوتے ہیں،انہوں نے اسے اپنا کاروبار بنا رکھا ہوتا ہے۔

مردوں کی بجائے عورتیں ان کے پیچھے زیادہ بھاگتی ہیں۔وہ بھی ایسے ٹیکنیکل قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ آگے سے جواب دیتے ہیں:

ہاں! کچھ اثر نظر آتا ہے۔

لگتا ہے کسی نے کچھ کیا ہوا ہے۔

جب وہ یہ الفاظ کہہ دیتا ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہوا ہے تو باقی سٹوری تو بنی بنائی ان کے ذہن میں پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔چنانچہ

کوئی کہتی ہے: نند نے کر دیا

کوئی کہتی ہے: ساس نے کر دیا

کوئی کہتی ہے: میری فلاں پڑوسن نے کر دیا

سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں: حضرت! فلاں عالم نے بتایا ہے کہ جادو ہے۔بھئی! اگر جادو ہے تو اس کا توڑ کیوں نہیں کر دیتے؟ کہتے ہیں: جی جادو سخت ہے اس کا توڑ نہیں ہوسکتا لیکن ہے سہی۔خواہ مخواہ دوسروں کو کنفیوز کر دیتے ہیں۔

کسی کو کہتے ہیں: جی! آپ کے اوپر جن کا اثر ہے۔اچھے بھلے بندے کو کنفیوز کر دیتے ہیں کہ جی! کچھ اوپرا اثر نظر آتا ہے۔بھئی! یہ اوپرا اثر کیا ہوتا ہے؟ جی! کچھ آسیب کا اثر نظر آتا ہے۔

ارے! کلمہ پڑھنے والے بندے! تو جنوں سے ڈرتا پھرتا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ جب جنوں کے اجتماعات

ہوتے ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو انسانوں کے بچوں سے بچنے کے وظیفے بتاتے ہوں گے تا کہ تمہیں کسی انسان کے بچے کا اثر نہ ہو جائے۔اور ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ ہم جنوں سے ڈرتے پھرتے ہیں۔

یاد رکھیں! ایمان وہ نعمت ہے کہ اس نعمت کے صدقے یہ چیزیں انسان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جب تک کہ پروردگار نقصان نہ پہنچانا چاہے۔اس لیے سالک کو چاہیے کہ تنگی ہو، مصیبت ہو یا پریشانی ہو، رب کے در کو نہ چھوڑے۔کوئی ضرورت نہیں ایسے عاملوں کے پیچھے جانے کی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ پھر ایسی صورت میں انسان کیا کرے۔ایسی صورت میں:

دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ لیجیے

روز اپنے رب کے سامنے دامن پھیلائیے

قریب میں جو نیک لوگ ہوں ان کو بھی دعاؤں کے لیے کہیے

پیر استاد کو دعاؤں کے لیے کہیے

ماں باپ کو دعاؤں کے لیے کہیے

پیر اور مرید کے مانگنے میں فرق:

یاد رکھنا! جس در سے مرید مانگتا ہے اسی در سے پیر بھی مانگ رہا ہوتا ہے۔در ایک ہی ہے۔کوئی الگ راستہ نہیں ہے۔ایک ہی راستہ ہے۔بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ جو بار بار مانگتے ہیں ان کو مانگنے کا تجربہ ہو جاتا ہے۔یعنی ان کو رب کے حضور فریاد کرنے کا طریقہ آجاتا ہے۔پروردگار بھی ایسے لوگوں سے خوش ہوتے ہیں۔حتی کہ فرشتے بھی خوش ہوتے ہیں۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب اللہ کا نیک بندہ دعا مانگتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: میرے پروردگار! یہ تو بڑی جانی پہچانی آواز آرہی ہے۔اس لیے ہم بھی پروردگار سے ضرور دعائیں مانگیں۔

ایک دعا تو یہ مانگیں:

''اے اللہ! جیسے آپ خوش ہوتے ہیں ہمیں ویسا بنا دیجیے۔''

اگر یہ دعا مانگتے ہوئے دل میں اخلاص ہوگا تو انشاءاللہ یہ دعا کبھی نہ کبھی رنگ لائے گی۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے؟ اے میرے بندے! تو نیک کیوں نہ بنا؟ وہ کہے گا: پرودگار! میں نے اپنے آپ کو آپ کے حوالے تو کیا تھا۔ میں نے اس وقت صدق دل سے کہا تھا کہ اے مالک! جس طرح آپ خوش ہوتے ہیں مجھے ویسا بنا دیجیے۔ ممکن ہے اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیں۔

رحمتِ الٰہی محبّتوں کا سرچشمہ:

اگر اللہ رب العزت کی رحمت کے سو حصے ہوں تو ایک حصہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں تقسیم فرمایا اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے۔ رحمت کے اس ایک حصے کی وجہ سے انسانوں کے اندر محبّتیں نظر آتی ہیں۔ ماں کو اولاد سے.....میاں کو بیوی سے..... دوست کو دوست سے.....جانوروں میں.....انسانوں میں..... پرندوں میں آپ کو جو ہمدردی اور محبّت نظر آتی ہے، یہ اسی ایک حصے کا تھوڑا سا حصہ ہے جو ایک بندے کو ملا ہے۔ اب بتائیے کہ وہ ایک حصہ کتنا بڑا ہوگا کہ اتنی مخلوق میں تقسیم ہوا۔ اور اس حصے میں سے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سا ہمیں بھی دیا۔

آج ہمارے سامنے اگر کسی دشمن کو بھی آگ میں ڈالنا ہو تو ہم اس وقت اس کو دیکھ کر پیچھے نہیں ہٹ سکیں گے، بلکہ اس کے بارے میں بھی کہیں گے: بھئی! اس کو چھوڑ دو۔ تو محبّت کا وہ حصہ جو ہمیں ملا ہے اس کی وجہ سے آج ہم دشمن کا بھی آگ میں جانا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ننانوے حصوں کے ساتھ اپنے کلمہ گو بندوں کا جہنّم میں جانا کیسے پسند فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتے۔

بخشش کے بہانے:

اس لیے تو اس نے بخشنے کے لیے ایسے ایسے راستے کھول دیے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر:

(۱) نیکی کے ارادے پر اس کے نامہء اعمال میں نیکی لکھ دی جاتی ہے جبکہ برائی کے ارادے سے برائی نہیں لکھی جاتی جب تک کہ وہ برائی کر نہ لے۔

(۲) ایک نیک عمل کرنے پر دس نیکیاں اور ایک گناہ کرنے پر ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ اور ساتھ قانون بنا دیا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْ هِبْنَ السَّیِّاٰتِ(ھود:114)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں''

(۳) روایت میں آیا ہے کہ ایک بندہ گناہ کرتا ہے۔ گناہ لکھنے والا فرشتہ دوسرے فرشتے سے پوچھتا ہے: یہ گناہ لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے: نہیں، تھوڑی دیر صبر کرلو۔ پھر دوسرا گناہ کرتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے: لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے: صبر کرلو۔ پھر تیسرا گناہ کرتا ہے، پھر چوتھا گناہ.....پھر پانچواں گناہ.....وہ بندہ پانچ گناہ کر لیتا ہے۔ اتنی دیر گزرنے کے بعد وہ بندہ ایک نیک عمل کر لیتا ہے۔ اب ایک نیک عمل پر چونکہ دس نیکیاں ملتی ہیں اس لیے نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ اب پانچ نیکیاں پانچ گناہوں کے مقابلے میں، اور پانچ فالتو.....لہٰذا اب ایک عمل پر پانچ نیکیاں نامہ اعمال میں لکھ لو۔ جب پانچ لکھی جاتی ہیں تو شیطان اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں بنی آدم کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہوں کہ میں نے اتنی کوششیں کر کے اتنے گناہ کروائے اور اس کے ایک نیک عمل نے سب گناہ مٹا دیے، الٹا پانچ نیکیوں کا ثواب نامہ اعمال میں لکھوایا۔

جہنمی آدمی کی پہچان:

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری نعمتیں پائیں اور میرے عذاب سے بچ جائیں۔ہم اپنے پاؤں پر خود کلہاڑیاں مارتے ہیں۔ہمیں اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جاتا ہے مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ہمیں باتیں سمجھائی جاتی ہیں، ہم کان ہی نہیں دھرتے۔سنتے ہی نہیں۔اگر سنتے ہیں تو سمجھتے نہیں۔اس لیے جب جہنمیوں سے فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ تو وہ آگے سے جواب دیں گے:

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ (الملك:9) کہیں گے: ہاں آیا تھا ڈرانے والا''

جب ڈرانے والا آیا تھا تو تم نے بات کیوں نہ مانی؟

کہیں گے:

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملك:10) ''اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے اور عقل استعمال کرتے تو ہم جہنّم والوں میں سے نہ ہوتے۔''

معلوم ہوا کہ جہنمی وہی ہوتا ہے جو سنتا نہیں، اگر سنتا ہے تو سمجھتا نہیں۔عمل نہیں کر پاتا۔

طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں:

اللہ رب العزت کی رحمت نیکوکاروں کے بہت قریب ہوتی ہے۔اس لیے فرمایا:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف:56)

''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکار لوگوں کے بہت قریب ہوتی ہے۔''

فرصت زندگی کم ہے محبّتوں کے لئے لاتے ہیں کہاں سے وقت لوگ نفرتوں کے لئے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے راہ رو منزل ہی نہیں

یعنی، طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں، وہ تڑپ ہی نہیں ہے۔

ایک عجیب بات:

امام رازیؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات کیا کرتے تھے۔سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہے۔فرماتے تھے:

''اے ایمان والو! سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت دنیا میں تقسیم ہوئی ہے اور اس ایک رحمت پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایمان اور اسلام جیسی نعمت عطا فرما دی، تو جب قیامت میں سو رحمتوں کا نزول ہوگا تو کتنی نعمتیں عطا کی جائیں گی؟''

اس لیے یہ ایمان اور اسلام والی نعمت ہمارے اوپر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

چھٹکارے کا مدار اللہ کی رحمت پر ہے:

یہ بات دل میں رکھیں کہ ہم جتنے مرضی عمل کر لیں، چھٹکارا اللہ کی رحمت سے ہی ہونا ہے۔بنی اسرائیل کا ایک عبادت گزار تھا۔اس نے پانچ سو سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔اس کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔وہ کہے گا: اللہ! میں نے تو پانچ سو سال عبادت بھی کی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا! اب اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پیاس لگا دیں گے۔اس کی وہ پیاس برداشت سے باہر ہو جائے گی۔وہ ادھر ادھر پانی تلاش کرے گا۔اس اضطراب کی حالت میں ایک فرشتہ پانی کا پیالہ لے کر اس کے سامنے آئے گا۔وہ پانی دیکھ کر اپنے بس میں نہیں رہے گا۔کہے گا: پانی دے دو۔فرشتہ کہے گا: اس کے بدلے میں قیمت ادا کرو۔پوچھے گا: کتنی قیمت؟ فرشتہ کہے گا: اتنے سال کی نیکیاں۔وہ کہے گا: نہیں۔پھر فرشتہ

کہے گا: اتنے سال کی نیکیاں۔ادھر پیاس بڑھتی جائے گی اور فرشتہ نہیں نہیں کہتا رہے گا۔حتی کہ کرتے کرتے ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ یہ کہے گا کہ میں پانچ سو سال کی عبادت کی نیکیاں دیتا ہوں مجھے پانی کا ایک پیالہ پینے دو۔تب پروردگار فرمائیں گے:

''میرے بندے !تیری پانچ سو سال کی نیکیاں میرے پانی کے ایک پیالے کی قیمت نہ بن سکیں،اور تو نے تو زندگی میں کتنے پیالے پانی پیا تھا۔تو نے کتنی نعمتیں استعمال کی تھیں!؟ تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ تو نے میری نعمتوں کا حق ادا کر دیا ہے۔''

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دل میں پکا یقین رکھیں کہ ہم اللہ کی رحمت سے ہی جنت میں جائیں گے۔عمل اس لیے کرنا ہے کہ یہ پروردگار کا حکم ہے۔مگر ان اعمال پر بھروسہ نہیں ہے.....ہم کیا، ہماری عبادت کیا!بس یہ اللہ کی رحمت ہے۔

شیطان کی حسرت:

اللہ رب العزت مومن بندے کے گناہ جلدی معاف فرما دیتے ہیں۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ(الزمر:53)

''اے نبی کہہ دیجئے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''

اب خود پروردگار فرماتے ہیں کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔علما نے لکھا ہے کہ بعض گناہ گاروں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اتنا اجر عطا فرمائیں گے کہ اس کو دیکھ کر شیطان حسرت کرے گا۔کاش! میں نے دنیا میں ان سے گناہ کروائے ہی نہ ہوتے۔اس لیے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت کا ظہور ہو

گا اور اللہ تعالیٰ معاف کر کے خوش ہوں گے۔

اجتماعی توبہ کی فضیلت:

یاد رکھیں! اگر ہم گھر میں توبہ کریں گے تو کیا پتہ، قبول ہو کہ نہ ہو، لیکن جب اجتماعی طور پر معافی مانگیں گے اور توبہ کریں گے تو توبہ قبول ہونے کے چانسز زیادہ ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ اگر جماعت میں سے کسی ایک بندے کی نماز قبول ہو جائے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ باقی نمازیوں کی نماز بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ تو گویا اگر ہم نے اس محفل میں اپنے گناہوں سے سچی توبہ کی اور ایک بندے کی بھی توبہ قبول ہو گئی تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ باقی لوگوں کی بھی توبہ قبول فرما لیں گے۔

گناہوں کی سزا دینے میں تاخیر کیوں؟

اللہ تعالیٰ بندے کو گناہوں کی سزا بعض اوقات جلدی نہیں دیتے۔ تاخیر فرما دیتے ہیں۔ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ممکن ہے کہ یہ توبہ کر لے، اور اگر یہ اپنی زندگی میں توبہ نہ کرے تو ممکن ہے کہ اس کی اولاد میں سے کوئی نیک بچہ پیدا ہو جائے جو اس کی مغفرت کی دعا مانگ لے۔

کفار سے بھی مغفرت کا وعدہ!!!

مومن بندے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ پروردگار عالم کافروں کے بارے میں قرآن مجید میں فرماتا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال:38) ''اے محبوب ﷺ! کافروں سے یہ کہہ دیں کہ اگر یہ رک جائیں، تو حالتِ کفر میں ہونے والے سب گناہوں کو ہم معاف فرما دیں گے۔''

جب کافروں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے توبہ پر مغفرت کا وعدہ فرمادیا تو پھر ایمان والوں کے لیے مغفرت کا کتنا بڑا وعدہ ہوگا۔اس لیے ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں۔

ایک نوجوان کی مغفرت کا اعلان:

ایک مرتبہ ایک نوجون نبی ﷺ کی خدمت میں روتا ہوا آیا۔پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: جی! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ مجھے زمین قبول کرے گی نہ آسمان، میرا کیا بنے گا؟ پوچھا: ہوا کیا؟ کہنے لگا: جی! میں کفن چور تھا۔ایک نوجوان لڑکی کی لاش دفن کی گئی۔میں نے جب اس کا کفن اتارا تو شیطان غالب آ گیا اور میں نے اس کی مردہ لاش کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرلیا اور جب میں وہاں سے آنے لگا تو مجھے ایسے آواز آئی کہ جیسے وہ مجھے کہہ رہی ہے، اے بندے! تجھے اتنی حیا نہ آئی کہ تو نے مجھے اس حالت میں کھڑا کیا کہ میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے جنابت کی حالت میں پیش کی جاؤں گی۔اس کا یہ خیال میرے ذہن میں ایسا جم گیا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ میرا یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔

نبی علیہ السّلام نے جب سنا تو آپ ﷺ نے بھی غصے کا اظہار فرمایا کہ تو ایسا ہے، تو نے اتنا برا کام کیا ہے۔جب نبی علیہ السّلام نے غصے کا اظہار کیا تو وہ نوجوان وہاں سے چلا گیا۔

اس نے ویرانے میں جا کر رونا شروع کر دیا۔اللہ کے حضور معافی مانگنا شروع کر دی۔وہ سجدے کرتا۔گناہ تو کر بیٹھا مگر احساسِ ندامت بھی ہو گیا۔جب اس نے خوب اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ پر وحی اتاری، جس میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

فقیہ ابواللّیث سمرقندیؒ یہ الفاظ لکھتے ہیں: فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السّلام کو بھیجا کہ جا کر

پوچھیے:

''اے میرے محبوب! ان بندوں کو میں نے پیدا کیا یا کسی اور نے پیدا کیا؟''

نبی علیہ السّلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

پھر پوچھا: تو ان کے گناہوں کو میں نے بخشنا ہے یا کسی اور نے بخشنا ہے؟

نبی علیہ السّلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہی بخشنا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب یہ میرے بندے ہیں اور گناہوں کو میں نے ہی بخشنا ہے تو اس نوجوان نے مجھ سے اتنی معافی مانگی ہے کہ میں اس نوجوان کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں۔

نبی علیہ السّلام نے ایک صحابی کو بھیجا کہ جاؤ، اس نوجوان کو بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف فرما دیا ہے۔.....واہ میرے مولا!.....آپ کتنے کریم ہیں کہ جو بندہ صدق دل کے ساتھ معافی مانگتا ہے، آپ اس کے ہر گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں۔

ایک بت پرست پر رحمتِ الٰہی کا ظہور:

ایک آدمی بت پرست تھا۔ وہ کی مشکل میں پھنس گیا۔ وہ یا صنم یا صنم کی تسبیح کرتا رہا۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو ذرا اونگھ آنے لگی۔ تو اونگھ کی وجہ سے یا صنم کی بجائے اس کے زبان سے ''یا صمد'' کا لفظ نکل آیا۔ جیسے یہ اس کی زبان سے یا صمد کا لفظ نکلا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور پروردگار نے پوچھا:

لَبَّیْکَ یَا عَبْدِیْ!

''اے میرے بندے! تو کیا چاہتا ہے؟''

اس پر فرشتے بڑے حیران ہوئے۔ پوچھا: اللہ! یہ تو بت پرست ہے، ساری رات بتوں کو پکارتا رہا اور

انہی کی پرستش کرتا رہا، اور اونگھ کی وجہ سے آپ کا نام اس کی زبان سے نکل آیا اور آپ کی رحمت فوراً متوجہ ہوگئی؟ اس کے جواب میں رب کریم نے فرمایا: اچھا! یہ بندہ اپنے بتوں کو پکارتا رہا، بتوں نے پوری رات کوئی جواب نہ دیا، بھلے میرا نام اس کی زبان سے نیند کی وجہ سے نکلا، اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو مجھ میں اور بتوں میں کیا فرق رہ جاتا؟

پھر میں تیرے در پر کیسے آؤں؟

ایک اللہ والے تھے۔ وقت کے بادشاہ نے انہیں پیغام بھیجا کہ میں آپ کے لیے یہاں محل میں آپ کے قیام کا بندوبست کرتا ہوں لہٰذا آپ میرے پاس ٹھہریں۔ انہوں نے جواب بھیجا: جناب! بالفرض میں آپ کے ہاں آؤں اور آپ اپنے ہی گھر کی کسی عورت کے ساتھ مجھے برائی کی حالت میں دیکھیں تو بتائیں کہ آپ کیا کریں گے؟ جب بادشاہ نے یہ سنا تو بڑا غصہ آیا اور کہا کہ یہ ایسا شقی بندہ ہے، ایسی سوچ رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے غصے سے بھرپور جواب بھجوایا: اس کے بعد ان اللہ والوں نے بادشاہ کو جواب بھجوایا: ''جناب! میں نے تو امکان پیش کیا تھا، اس امکان پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہیں، جب کہ میرا پروردگار مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن وہ مجھے اپنی بندگی سے باہر نہیں نکالتا، میں اس پروردگار کا در چھوڑ کر تیرے در پر کیسے آؤں؟

ہم اس پروردگار کے در پر آج حاضر ہیں۔ ہم موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ جتنے بھی گناہ ہیں اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرما دیں گے۔ جب اس مالک کی رحمت کی ایک نظر اٹھے گی تو ہمارے گناہ نیکیوں میں تبدیل کر دیے جائیں گے۔

ایک عجیب دعا:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب کبھی مسجد کے دروازے پر آتے تو ایک عجیب دعا مانگا کرتے تھے۔ وہ دروازے پر

آ کر رک جاتے اور یہ فرماتے؟

''اے پروردگار! ایک بدکار تیرے دروازے پر حاضر ہے، آپ نے حکم فرمایا کہ اچھے لوگ بروں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں، لہٰذا اے پروردگار! آپ اچھے ہیں، میں برا ہوں، تو اپنی اچھائیوں کے صدقے میرے ساتھ بھی اچھا معاملہ فرما دیں۔''

لمحۂ فکریہ:

اس لیے میرے دوستو! اگر ہم مسجد میں آ کر بھی اپنے گناہ نہیں بخشوا سکیں گے تو پھر ہم کہاں بخشوائیں گے! میرے دوستو! اگر کوئی بندہ مندر سے نکل کر جہنّم میں جائے تو اس پہ حسرت نہیں، حسرت تو اس پہ ہے جو مسجد سے نکل کر جائے اور اس کی توبہ قبول نہ ہو اور اسے پھر جہنّم میں بھیج دیا جائے۔ اب ہم اللہ کے در پر بیٹھے ہیں، اس در سے ہٹ کر بھی ہم جہنّم میں پہنچیں گے!!! آج وقت ہے اپنے رب سے معافی مانگنے کا، آج وقت ہے اپنے گناہوں کو بخشوانے کا۔ وہ پروردگار چاہتا ہے کہ میرے بندے معافی مانگیں۔ اس لیے فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:53)

پروردگار فرماتے ہیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یہ پروردگار کا اعلان ہے۔ آج ہم سب پروردگار کے دروازے پر حاضر ہیں، مانا کہ ہم مجرم ہیں، ہم نے خطائیں کیں، میرے مالک! ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، خطاؤں سے معافی مانگتے ہیں، اے مالک! ہم بہت برے ہیں اور آپ بہت اچھے ہیں اور آپ نے حکم دیا کہ اچھے بروں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں، اے مالک! آج ہمارے ساتھ اچھائی کا معاملہ فرما دیجیے۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ رب کریم! ہماری توبہ قبول کر

لیجیے۔اے بدبختوں کو نیک بخت بنانے والے!اے شقی کو سعید بنانے والے!اے دوزخ سے نکال کر جہنمیوں کو جنت میں بھیجنے والے!اپنے بندوں پر رحم فرما اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے۔اے اللہ!ہمارے دل سخت ہیں،ہمیں اپنے گناہوں پر رونا نہیں آتا،آنکھیں خشک ہو چکی ہیں،مالک ہمیں چاہیے تھا کہ یہ آنکھیں بہہ پڑتیں،یہ دل موم ہو جاتے اور ہم دل کی گہرائیوں سے معافی مانگتے۔رب کریم!اس دل کی سختی کو آپ ہی دور کر سکتے ہیں۔رب کریم!رحمت کا معاملہ فرمائیے اور ہماری توبہ قبول فرما لیجیے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ